

طويل راستہ!

اسلام آباد میں چند دن گزار کروالپس لاہور پہنچا ہوں۔ لاہور کی اپنی خوبیوں ہے۔ جو مرضی ہو جائے لاہور شہر میں زندگی کا احساس حدد رجہ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ بھرپور شہر۔ اپنا مزاج، اپنی حس مزاج اور ایک دمکتی ہوئی ثقافت۔ اسلام آباد میں وقت اچھا گزرا۔ بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی۔ کچھ اہم، کچھ غیر اہم اور چند خود کواہم ترین گردانے والے۔ اپنے قبیلے کے چند سینئر افسران نے ہنستے ہنستے بتایا کہ نئی سرکار کی رفتار بھی پرانی ہے اور چلن میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ خان صاحب مسندشاہی سے چلے گئے اور ان کی جگہ برادر خورد آن پہنچ۔ تب بھی سرکار کی رفتار میں کوئی تیزی، کوئی پھرتی ہرگز نہیں آئی۔ وہی ”ڈیپ فریزر“ والی کیفیت جو ماضی میں تھی۔ بلکہ ہمیشہ سے اور آج بھی بالکل وہی ہے۔ باقی صرف اور صرف بیانات ہیں جنہیں اب کسی قسم کی کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ بتا رہا ہے کہ شہباز شریف نے اسلام آباد جا کر کام کرنے کی رفتار تیز کر دی ہے۔ تو مجھے بالکل ایسے نہیں لگا۔ اس کے برعکس ایسے معلوم ہو رہا ہے کہ موجودہ وزیر اعظم سرکاری کام کو سرعت سے کرنے کی اہمیت سے محروم نظر آ رہے ہیں۔ دراصل انہوں نے صوبہ میں بہترین کام کیا ہے۔ مگر وفاق کے تقاضے اور ”پاور پلیسِرز“ بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے وہ شائد ہر اہم کام کو تسلی سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد کوئی حکم جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ ضرور عرض کروزگا کہ اسلام آباد انہیں پرکھ رہا ہے اور وہ دار الخلافہ کو تول رہے ہیں۔

وزراء کی اکثریت کافی حد تک مطمئن نظر آئی ہے۔ پی ڈی ایم کے وزراء کی بات کر رہا ہوں۔ ان میں کوئی اضطرار محسوس نہیں ہوا۔ انہیں اندازہ ہے کہ مقتدرقوتوں نے ان کا بوجھ اٹھا کر کھا ہے۔ الہذا فلکر کی کوئی خاص بات نہیں۔ یہ یقین اب تک تو درست دکھائی دے رہا ہے۔ طاقتورقوتوں میں بھرپور طریقے سے موجودہ حکومت کے ساتھ ہیں۔ حکومتی سیٹ اپ کے اکابرین کو یقین ہے کہ فی الحال انہیں کوئی سیاسی طاقت ہٹا نہیں سکتی۔ مجھے تو اگلے ایکشن اور نتائج کے لئے ملکے خدوخال دھنڈ لے طریقے سے محسوس ہو رہے ہیں۔ بلاول بھٹو کو اب سرکاری سرپرستی میں اگلے وزیر اعظم کے لئے تربیت دی جا رہی ہے۔ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ آنے والے ایکشن کے نتائج میں مرکزی حکومت پیپلز پارٹی کو دی جائے گی۔ اور اقتدار کا پرندہ بلاول کے سر پر بیٹھنے والا ہے۔ زرداری صاحب اپنی کامیاب سیاسی حکمت عملی سے اس امر کی کامیابی کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مقتدر حلقة اب زرداری صاحب کی طرز سیاست سے مروع نظر آتے ہیں۔ مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ انہیں سندھ کی حکمرانی دینے کا مزید وعدہ بھی ہو چکا ہے۔ پیپلز پارٹی کو پنجاب میں بھی مطلوبہ نشستیں دلوانے کا اہتمام ہوتا ہوا

نظر آ رہا ہے۔

مسلم لیگ ن کے اکابرین کو یہ سب معلوم ہے۔ انہیں پنجاب میں بدستور مرضی سے کھل کھلینے کا اختیار دیا جا چکا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ آنے والے پانچ سال، ن لیگ کے میاں شہباز شریف اور ان کے خاندان کی جیب میں نظر آ رہے ہیں۔ اگر کسی کو یہ گمان ہے کہ ایکشن میں تو تحریک انصاف کا ووٹ قیامت ڈھادے گا۔ تو ممکنہ طور پر ان کو دھکا لگے گا۔ وہی ہو گا جیسے ہمیشہ ماضی میں ہوتا آیا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس انداز میں عمران خان اور ان کی پارٹی کو حکومت میں لا لیا گیا تھا، بالکل اس طرز پر پی ڈی ایم کو تیسری بار حکومت دی جائے گی۔ ہاں ایک بات درج کرنا ضروری ہے۔ شہباز شریف مقتدرتوں کے اعتماد کے ساتھ اب حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہیں۔ شروع کے ایک ماہ میں ان کا تاثر بہت حد تک ضعف کا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ سرکس کے سفید ”گھوڑے“ کو گام ڈالنے میں پر عزم نظر آتے ہیں۔ اور اس وقت حالات کا بہاؤ بھی انہیں کے بل بوتے پر ہے۔ انہیں وزیرِ اعظم بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ کام کروانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ایک اہم بات جو سامنے آ رہی ہے۔ وہ یہ کہ میاں نواز شریف بتدریج اپنی عملی اہمیت کھو رہے ہیں۔ پارٹی میں انکا دھڑ انہیں سے احکامات وصول کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ہزاروں میل دور بیٹھے ہیں۔ چنانچہ مقتدر حلقوں سے ان کا رابطہ بہر حال شہباز شریف کے مقابلے میں فطری طور پر کم ہے۔ لہذا یہ عرض کرنے میں کوئی کلام نہیں کہ آنے والے وقت میں بڑے میاں صاحب اپنی سیاسی قدر و قیمت مزید کھو دینگے۔ یہ کہنا نامناسب ہو گا کہ مکمل طور پر غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ پارٹی پر ان کی گرفت شائد کم ہو جائے۔ مگر پنجاب کے ووٹ پر انکا اثر بے انہتا ہے اور رہے گا۔ چھوٹے میاں صاحب، ووٹ کے لئے اپنے بھائی کے مر ہون منت ہیں۔ عوامی سطح پر شہباز شریف کی پذیرائی حد درجہ کم ہے۔ واقفان حال تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر میاں نواز شریف، اپنا دست شفقت چھوٹے بھائی کے سر سے اٹھا لیں تو شہباز شریف صاحب کوئی بھی ایکشن نہیں جیت سکتے۔ ابھی تو اس طرح کی بدگمانی کا کوئی جواز نظر نہیں آ رہا۔ مگر طاقت کے کھیل میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اقتدار کی گلیوں میں کچھ بھی لکڑی کا بے جان گھوڑا بگٹٹ بھاگنا شروع ہو جائے۔ اور اس پر عربی کو دوڑنے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔ بہر حال مستقبل میں کیا ہو گا۔ اس کا صرف قیافیہ لگایا جا سکتا ہے۔ یقین سے تو آنے والے المحکمہ کے متعلق بھی کچھ کہنا ممکن نہیں۔

تحریک انصاف کی اعلیٰ قیادت مجھے مراقبے میں نظر آئی ہے۔ ان کو زیادہ تر ڈی پر ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ یا ایک اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب تمام شہروں میں احتجاج ہو گا۔ چند ہزار بندے نکل کر واویلا مچاتے ہیں اور اس کے بعد دوبارہ خاموشی۔ پیٹی آئی کے رہنماؤں کو اب اندازہ ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ مگر شائد ابھی تک یہیں بھانپ پائے کہ انہیں در بدر کیوں کیا گیا ہے۔ ان کی طرف سے مقتدر طبقوں سے رابطہ تو بہر حال ہے۔ مگر بے یقینی اتنی ہے کہ کسی سنجیدہ گفتگو کا دور دور تک امکان نہیں۔ خان صاحب یہ طاقتور حلقة کسی صورت میں اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسلام آباد کے اعلیٰ

حلقوں میں انکا سازش کا بیانیہ بھی تقریباً دم توڑ چکا ہے۔ وقت اور اقتدار کا ظالم پہیہ انہیں کچل کر آگے نکل چکا ہے۔ خان صاحب شدید رخی حالت میں ہیں۔ سیاسی ضعف کی بات کر رہا ہوں۔ خان صاحب کو بالکل اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بیانات اور سیاسی حرکتوں سے تمام سنجیدہ قوتوں کو ناراض کر بیٹھے ہیں۔ اور اب انہیں اقتدار سے کافی عرصے کے لئے دور رکھا جائے گا۔ شائد مستقل طور پر۔ مگر خان صاحب کو ابھی تک ان کے نزد یکی لوگ یقین دلار ہے ہیں کہ اس ”اکیلے پن“ سے جلد نکل آئیں گے۔ کیونکہ عوام ان کے ساتھ ہے۔ مگر یہ خام خیالی معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے نظام میں شفاف الیکشن ممکن ہی نہیں ہیں۔ اور جو لوگ ”صاحب اختیار“ ہیں، وہ الیکشن میں فتح حاصل کرنے کے گرو ہیں۔ خیالی دنیا میں تو شائد عوام کی تائید سے کوئی دوبارہ تخت حاصل کر سکتا ہے۔ مگر عملی دنیا میں ایسا مشکل نظر آ رہا ہے۔ یہ درست نکتہ ہے کہ خان صاحب، عوامی سطح پر مقبول ترین لیڈر ہیں۔ مگر مقبولیت اور چیز ہے اور اقتدار میں آنا بالکل متفاہ امر ہے۔ لہذا خان صاحب کے قریبی دوستوں کا عوامی تائید کا مفروضہ مستقبل میں انہیں اقتدار میں شائد نالا سکے۔ تحریک انصاف کے اکابرین سے اسلام آباد کے اہم لوگ ملنے سے بھی کتراتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دو تین سال میں اداروں اور خان صاحب کے مابین برف پکھل جائے۔ مگر آج کی تاریخ تک تو اقتدار کی گلیوں میں تحریک انصاف کے لئے برف ہی برف ہے۔ امر یکی اور ملکی سازش کے بیانیے کو جس غیر سنجید یکی سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی بدولت خان صاحب، اپنی پارٹی کو سیاسی طور پر برباد کیے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی ذاتی سیاست یعنی دوبارہ وزیر اعظم بننے کے متعلق ہرگمان ختم ہو چکا ہے۔ مگر اب وہ تحریک انصاف کو بھی گمانی کی شاہراہ پر لیے جا رہے ہیں۔ فہمیدہ لوگ ان کی سیاسی سرگرمیوں اور بیان بازی سے بہت اکھڑے اکھڑے نظر آتے ہیں۔ خان صاحب نے جودوست، مقدار حلقوں سے بات چیت کرنے کے لئے مختص کئے ہیں۔ وہ تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام نظر آ رہے ہیں۔ ان کی پریشانیوں میں اضافہ دراضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ رہی عوام کے ووٹ کی بات، تو تلخ حقیقت یہ ہے کہ عوام کا ووٹ اپنے لیڈر کو پھانسی تو دلو سکتا ہے۔ مگر اقتدار نہیں دلو سکتا۔ یہ بات زرداری صاحب پہلے جان چکے ہیں۔ آل شریف کو بھی اس حقیقت کا بھرپور طریقے سے اندازہ ہو چکا ہے۔ اور وہ طاقتوں حلقوں کے ہاتھ پر غیر مشروط بیعت کر چکے ہیں۔ خان صاحب کا معاملہ الٹ ہے۔ وہ ہر دم غیر محفوظ سیاسی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ شائد انہیں سمجھنے میں مزید وقت لگے۔ مگر اسلام آباد کی فضا میں صرف سازش ہے۔ افواہوں کے بادل ہیں۔ لاہور والوں کا دل وہاں کم ہی لگتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ پنڈی اور اسلام آباد کے مابین درمیانی راستہ کتنا طویل ہے۔ یہ سب سے مشکل اور پیچیدہ سوال ہے!